''لانس نائک نعیم احمد خان .....''

نعیم ایک جھٹکے سے مڑا اور پاگلوں کی طرح دانت ننگے کر کے چیخا:

''مجھے چائے بنانے دو۔''

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔'' ٹھاکر داس گرجا اور آگے بڑھ کر اپنے بڑے بڑے بوٹوں سے مسل کر ادھ جلی لکڑیاں بجھانے لگا۔

نعیم نے کھینچ کر سر سے ٹوپی اتاری اور اس کی طرف پھینکی جو اڑتی ہوئی ٹھاکر داس کے کان کے پاس سے گزر گئی۔ پھر اس نے رائفل کو سلنگ سے پکڑ کر اس کی طرف اچھالا۔ وہ اسی طرح جا کر خندق کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

''لو'' وہ جانوروں کی طرح چیخا۔ ''لو'' کچھ دیر تک وہ بدنما چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹھاکر داس نے کندھے اچکائے اور بیٹھ کر چائے پینے لگا۔

''لانس نائک کورٹ مارشل کروانے کی فکر میں ہے۔'' دوسری مشین گن کی ٹانگوں سے ٹیک لگا کر بیٹھے ایک سپاہی نے لاپروائی سے کہا۔ اس کے چہرے پر میل کی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔

سورج پوری حدت اور چمک کے ساتھ اوپر آ رہا تھا اور بارش کے بعد فضا کے رنگ گہرے ہو گئے تھے۔ بلاک سٹیرٹ کا [illegible] سپاہی' ٹیک لگائے بیٹھے' میلے برتنوں میں چائے پیتے ہوئے' سورج کی صحت بخش حدت کو اپنے سرد اور گیلے جسموں پر محسوس کر رہے تھے۔ باہر ڈھلوان زمین پر میدان کے بڑے کوٹ پھیلے ہوئے تھے۔ گیلی' سیاہ زمین بھاپ چھوڑ رہی تھی۔ ٹھاکر داس دیر تک چائے کے ساتھ بسکٹ چباتا رہا۔ اس کے پتھریلے چہرے کی ایک ایک رگ اور پٹھا حرکت کر رہا تھا۔ کیچڑ کا ایک ننھا سا قطرہ اس کے ابرو پر جم گیا تھا۔ مگ خالی کر کے اس نے دوبارہ اسے چائے سے بھرا اور نعیم کی رائفل اٹھا کر اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

''میدان جنگ میں پہلے ہی کیا کم دشمن ہیں۔ ایں؟'' اس نے رائفل اس کی طرف اچھالی اور مگ آگے بڑھایا۔ نعیم نے رائفل کو ہوا میں پکڑا اور بیٹھ کر چائے پینے لگا۔

اس دن کیولری کے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا گیا۔ تمام دن کوئی مزید احکام وصول نہ ہوئے اور تیز دھوپ نے گیلی خندقوں میں سے جو بھاپ اڑائی اس سے گھبرا کر سپاہی جھکے جھکے چلتے ایک سے دوسری جگہ آتے جاتے رہے۔

رات کو بادل پھر جھوم کر اٹھا اور تھوڑی سی بارش کے بعد برف گرنے لگی۔ ہندوستان کے گرم ملک سے آنے والے سپاہیوں نے برف باری پہلی بار دیکھی تھی۔ وہ خندقوں میں سے منہ نکالے اندھیرے میں گرتی ہوئی برف کو محسوس کر رہے تھے۔ مشین گن نمبر ایک کے پاس ادھ گیلی ٹہنیوں کی آگ جل رہی تھی اور ٹھاکر داس بینٹ کی مدد سے بوٹوں کے تلووں سے کیچڑ چھڑا رہا تھا۔ اوپر رائفلیں ایک دوسرے کے سہارے کھڑی کر کے بستر بند کا خیمہ بنایا گیا تھا۔

UrduPhoto.com

دوسری گن کے پاس سپاہی نیم غنودگی کی حالت میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ درمیان میں آگ جل رہی تھی۔ ایک سپاہی سنجیدگی سے بیٹھا آگ پر جرابیں سکھا رہا تھا۔ دیواروں پر ان کے چھوٹے بڑے سائے کانپ رہے تھے۔

نعیم دیر سے اپنی رائفل پر جھکا' منہ باہر نکالے دیوار کے سہارے کھڑا تھا اور برف کے ننھے ننھے پھوہے خاموشی سے اس کے چہرے اور بالوں پر گر رہے تھے۔ ''برف باری میں نے شملے میں دیکھی تھی۔ وہاں بھی پائن کے درخت تھے' شاید چیڑ کے تھے۔ یاد نہیں رہا۔ اس وقت میں بہت چھوٹا تھا اور جنگل جو ہمارے گھر کے اوپر اور نیچے اور ہر طرف تھا' اور پہاڑ کی ڈھلان پر ہمارا گھر تھا' فلاور۔ سے فلاور؟ ایسے کوئی نام تھا۔ پتہ نہیں۔ اور وہ لڑکا شاید میرا پہلا دوست تھا۔ وہ گھر کے دوسرے حصے میں رہتے تھے۔ لکڑی کے برآمدے میں ریلنگ پر جھک کر ہم برف باری دیکھ رہے تھے۔ ایسی ہی رات تھی۔ شاید وہی رات ہو اور پھر سے آئی ہو۔'' وہ دل میں ہنسا۔ ''اس کی سفید بلی پاؤں میں بیٹھی تھی اور برف چھتوں پر' درختوں پر' پتھروں پر اور دور دور چوٹیوں پر' جہاں صرف برف گرتی ہے' خاموشی سے گر رہی تھی۔ اور کمرے میں اس کی بہن منہ والا باجا بجا رہی تھی۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر تازہ گری ہوئی برف پر رکھا۔ ''وہ لڑکا اب کہاں ہے؟ دیکھ۔ حیرت ہے وہ اب کہاں ہوگا؟ میرے اللہ میرا دوست کہاں ہے؟'' وہ آنکھیں بند کرکے سوچتا رہا۔ ''شاید ڈاکٹر بن گیا ہو۔ جب بارش ہوئی تھی تو نالہ' جو ہمارے گھر کے پاس سے گزرتا تھا' اس میں کشتیاں چھوڑنے گئے تھے جو اس کی بہن نے بنائی تھیں۔ تب اس نے بتایا تھا کہ وہ ڈاکٹر بننے والا ہے۔ وہ تمام دن [illegible] جو اس کی [illegible] تھی۔ میرا پیارا دوست۔ برف باری رک گئی ہے؟ نہیں جاری ہے۔ صرف کم ہوگئی ہے۔ چھت پر' درختوں پر' دشمن کے مورچوں پر...... آج سارا دن میں نے اس سے بات نہیں کی۔ ٹھیک ہے میں اسے پسند نہیں کرتا۔ کیوں؟ پتہ نہیں۔ نہیں نہیں' یہ بات نہیں۔ اگر ہے بھی تو ٹھیک ہے۔ سور۔ خندق میں وہ اس قدر مطمئن ہے۔ بھیڑیا۔ جانتا ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا' پھر بھی ہنستا ہے۔ مکار۔ ہر وقت کھاتا رہتا ہے۔ پتہ نہیں ان جانوروں کو خندق میں بھی اتنی بھوک لگتی ہے۔''

گہری' تیز نفرت رینگ کر اس کے دل میں داخل ہوئی اور اس کے سارے وجود کو گرفت میں لے لیا۔ برف باری کی اس رات میں انسانوں کے پھیلے ہوئے' پوشیدہ سمندر کے درمیان اس نے اپنے آپ کو بے حد تنہا محسوس کیا۔ دیر تک وہاں کھڑا وہ محبت' نفرت اور حسد کے جلتے ہوئے جذبوں کی اذیت سہتا رہا۔

برف باری ختم ہو چکی تھی۔ بادل پھٹنے پر چاند ظاہر ہوگیا اور چاروں طرف ساری فضا برف کی سفیدی سے جگمگانے لگی۔ دشمن کے مورچوں میں کوئی گٹار کا ایک تار بار بار بجا رہا تھا اور اس کی گمبھیر' نرم آواز سفید اور گہری پُرسکوت رات کے سحر میں اضافہ کر رہی تھی۔

اس نے سر اندر کھینچ لیا۔ ایک کمزور سا نیلا شعلہ کوئلوں کے درمیان ناچ رہا تھا اور ٹھاکر داس دیوار کے ساتھ بیٹھا سو رہا تھا۔ اس کا چہرہ غلیظ تھا اور ایک مونچھ ٹھوڑی پر لٹک آئی تھی۔ نیلے شعلے کا سایہ رخسار کے گڑھے میں کانپ رہا تھا۔ اس کے دونوں کھلے ہوئے ہاتھ زمین پر رکھے تھے۔ اور سر چھاتی پر جھکا ہوا تھا۔ جھکی ہوئی کمر دیوار

UrduPhoto.com

سے لگائے" ٹانگیں دہری کیے سویا ہوا وہ دیکھنے والے کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا کرتا تھا۔ اس کے بڑے بڑے کرخت نقوش والے چہرے پر سادگی تھی۔

دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے نعیم کی ٹانگوں میں لرزش پیدا ہو گئی تھی۔ معدے میں سخت بھوک محسوس کر کے اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ چند بسکٹ کھائے گا۔

اگلے دن سہ پہر کے وقت حملے کا حکم ملا۔ ان کے ساتھ نمبر ایک نمبر دو اور نمبر تین کیولری بریگیڈ کے زیادہ تر حصے تھے۔ حملے کی تجویز یہ تھی:

نمبر دو ڈبل کمپنی' جو میجر ہمفری کی قیادت میں ہولی بیک کے سیکشن کی خندقوں پر قابض تھی' آگے بڑھے گی اور چھ سو گز کا محاذ گھیر لے گی۔ نمبر ایک کمپنی کیپٹن ایڈیٹر کی کمان میں روز بک پر قبضہ کرے گی اور جونہی نمبر دو کمپنی ان کے برابر آ جائے چڑھائی شروع کر دے گی۔ کمپنی کے دائیں بازو کا رخ فارم کی طرف کنٹور 30 پر ہو گا۔ نمبر تین کمپنی کے دو پلاٹون (یہ کمپنی کیپٹن میکلین کی قیادت میں تھی) مشین گن سیکشن کے ہمراہ کیپٹن ڈل کی کمان میں اس فائر کی مدد کریں گی جو بازو کی طرف سے چارڈیز فارم کی خندقوں میں سے ہو گا۔ نمبر تین کمپنی (کی دو پلاٹون) اور نمبر چار کمپنی چارڈیز فارم کے پیچھے ریزرو میں رہیں گی۔

تین بجے [illegible] شروع ہوئی۔ [illegible] مشین گن کی [illegible] اور اصل فائر [illegible] سامنے آ گئی۔

توپ خانہ ابھی دونوں جانب سے خاموش تھا۔ کیپٹن ڈل دوربین لگائے مشین گن کی خندقوں میں گھوم رہا تھا۔ سورج خندقوں میں جھکے ہوئے فولادی خودوں پر تیزی سے چمک رہا تھا اور اندھا دھند چلتی ہوئی گولیوں کی آواز مغربی پہاڑیوں میں سے لوٹ کر آ رہی تھی۔ ہوا میں بارود کی بو تھی۔

"زاویہ نمبر 39۔ جنوب مشرق۔ فائر۔" کمپنی کمانڈر چیخا۔

نعیم نے لبلبی دبا دی۔ گولیوں کی بوچھاڑ نکلی اور دشمن کی خندق سے پچاس گز ادھر زمین میں دھنس گئی۔ چھوٹے چھوٹے کنکر پتھر اور گیلی مٹی کے ڈھیلے ہوا میں اڑے۔

"ڈیول۔ (Devil)" کیپٹن ڈل جھنجھلا کر مڑا اور دوربین سے اوپر کی عمارت کو دیکھا۔ شیشوں کو آگے پیچھے پھراتے ہوئے وہ انگریزی میں گالیاں دینے لگا۔

"مجھے بے وقوف سمجھتا ہے۔ فائر سٹاپ۔" اس نے مڑ کر دشمن کے مورچوں پر دوربین لگائی۔ "زاویہ نمبر 43 جنوب مشرق فائر۔"

نالیاں اونچی ہوئیں اور خوفناک تڑتڑاہٹ کے ساتھ گولیوں کی دوسری بوچھاڑ نکلی۔ اب کے مٹی عین دشمن کی خندقوں پر سے اڑی اور چمکتے ہوئے سیاہ خودوں کی قطار یکلخت غائب ہو گئی۔ صرف ایک جگہ سے دو بازو ہوا میں اٹھے اور ایک سپاہی زبردست جھٹکے کے ساتھ خندق سے باہر جا پڑا۔ دوسری بوچھاڑ سے وہ دس گز لڑھکتا ہوا چلا گیا

اور ہموار زمین پر جا کر گرے ہوئے پائن کے بے جان تنے کی طرح ساکن ہو گیا۔

"شاباش......" ٹھاکر داس چیخا۔ "فائر......"

نعیم کے جسم میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ ایک نامعلوم سی مسرت اور پھرتی کے ساتھ اس نے لبلبی پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا۔

"پٹی لگاؤ......" وہ چیخا۔

"گنوں کو گرم مت کرو۔ وقفہ دو شاباش۔ پگھلنے مت دو۔ مشین گن تمہارا بہترین ساتھی ہے۔"

کیپٹن ڈل دوربین میں دیکھتا ہوا بول رہا تھا۔

رائفل اور مشین گن کی گولیاں ہوا کو چیر رہی تھیں۔ فضا میں بارود اور گرد کی دھندلاہٹ پھیل گئی تھی اور سورج مردہ جرمن سپاہی کے خود پر چمک رہا تھا۔

سورج ڈھلنے لگا تو عقب سے توپ خانے نے ریپڈ فائر (Rapid Fire) شروع کر دیا۔ دشمن کا فائر چند منٹ کے لیے رک گیا۔ کیپٹن ڈل نے دوربین میں دیکھا اور حکم دیا۔

"کمپنی ایڈوانس......"

دو سپاہیوں نے خندق پر چڑھ کر مشین گن باہر نکالی۔ تیسرے کو ٹھاکر داس نے ٹانگیں پکڑائیں۔ نعیم کے سپاہیوں نے ا[illegible] سان کر کے ان کے خودوں پر سے گزری۔ ٹھاکر داس کے ایک سپاہی نے بازو ہوا میں پھینکے اور پنجوں پر اٹھ کر تیز چکر میں گھوما۔ پھر وہ دھپ سے گیلی زمین میں گرا اور آواز نکالے بغیر مر گیا۔ ساری کی ساری کمپنی منہ کے بل زمین پر آ رہی۔ گولیوں کی دوسری بوچھاڑ آئی۔ تیسری ان کے جسموں سے دو انچ اوپر سیٹیاں بجاتی ہوئی گزری۔ انتہائی دہشت کے مارے پہلے انہوں نے چھوٹے چھوٹے پتھروں کے پیچھے سر چھپانے کی سعی کی پھر زمین میں سر گاڑے لیکن دشمن کے تیز اور بھاری فائر کے سامنے انہیں پسپا ہونا پڑا۔ مٹی اور کنکر ان کے نتھنوں میں گھس رہے تھے اور وہ زخمی سانپوں کی طرح لیٹے لیٹے الٹے پاؤں رینگ رہے تھے۔ خندق سے پانچ گز کے فاصلے پر نعیم کا ایک آدمی گولی کے زبردست دھکے سے کمانی کی طرح سیدھا پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور لٹو کی طرح تیزی سے گھومتا ہوا خندق میں جا گرا۔ ایک گولی مشین گن پر لگی اور میگزین کو جس سے نعیم اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھا تباہ کر دیا۔

خندق میں پہنچ کر انہوں نے مشین گنیں نصب کیں اور پیٹیاں چڑھا کر کیپٹن ڈل کی تیز، غصیلی آواز کے مطابق فائر کھول دیا۔ زخمی سپاہی دونوں ہاتھوں سے پیٹ کو پکڑے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ "پانی" اس نے خوفناک، غیر انسانی آواز میں کہا اور جھک گیا۔ اس کا سر زمین کو جا لگا اور سجدے کی حالت میں پڑا پڑا وہ کمزور، مردہ آواز میں کراہنے لگا۔ دو سپاہیوں نے اسے سیدھا لٹایا اور چھاگل منہ کے ساتھ لگائی۔ بمشکل ایک گھونٹ اس کے حلق سے اترا، باقی پانی باچھوں میں سے بہنے لگا۔ تکلیف کی شدت سے اس کا چہرہ بدنما ہو گیا تھا اور آنکھوں میں موت کا

خوف لئے وہ ٹکٹکی باندھے آسمان کو تک رہا تھا۔ جب نعیم نے آخری بار اسے دیکھا تو وہ آنکھوں سے پیٹ کی طرف اشارہ کر رہا تھا' جسے ابھی تک اس کے خون آلود ہاتھ جکڑے ہوئے تھے۔

حملے کے مقتولین کی فہرست: دو جوان' ایک مشین گن۔

کیپٹن ونسنٹ کی کمان میں جو کمپنی تھی اس کا ایک حصہ راستہ بھول گیا اور نمبر دو کمپنی کے دائیں بازو پر آنکلا۔ شام کے وقت کیپٹن نے مدد مانگی اور نمبر چار کمپنی کی دو پلاٹون اسے بھیجی گئیں۔ کمک پہنچنے سے پہلے اس کے سر میں گولی لگی اور وہ گھوڑے پر بیٹھا بیٹھا مر گیا۔

دائیں بازو کی طرف زیادہ اہم واقعات کے پیش نظر دو پٹین کو توڑنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اگلی صبح رجمنٹ وہاں سے ہٹا کر ہولی بیک کے شمال میں پوزیشن پر بھیجی گئی۔ شام کو دو کمپنیاں پھر اسی محاذ پر اے اور بی خندقوں میں واپس بلالی گئیں۔ دو دن تک وہ اسی طرح لڑتے رہے۔ جانی نقصان زیادہ ہوتا گیا۔ دو دن میں ایک تہائی توپ خانہ تباہ ہو گیا۔ پرانی چھ انچ کی ہووٹزر توپیں ان کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ اس حالت میں انہیں جرمن حملے کا سامنا کرنا پڑا۔

سیکنڈ بویرین کا ریلیں بھاری کورنگ فائر (Covering Fire) کے نیچے اس سیکشن پر جمع ہو رہی تھی جہاں پر تھرڈ کیولری بریگیڈ کا مورچہ تھا۔ یہ جگہ سیکنڈ کیولری ڈویژن کے بائیں بازو پر تھی۔ نمبر 129 کی دو کمپنیاں اگلی صفوں میں تھیں [illegible] 16th 15th [illegible] بجے ان [illegible] پر حملہ کیا تو [illegible] نمبر ایک کمپنی نے نمبر تین کمپنی کی خندقیں ابھی لی تھیں اور نمبر دو کمپنی ریزرو میں تھی۔ چنانچہ اس وقت دشمن کے حملے نے بے ترتیبی میں اضافہ کر دیا اور نمبر تین کمپنی کو بھاری توپ خانے کے فائر کے سامنے پسپا ہو کر جنگل میں ایک فارم کے پیچھے پناہ لینا پڑی۔

کیپٹن ڈل کی کمپنی ابھی تک مورچہ سنبھالے ہوئے تھی۔ ان کے آدھے جوان ختم ہو چکے تھے اور باقی تیزی سے ختم ہو رہے تھے۔ دشمن کی بیٹریاں بری طرح گولہ باری کر رہی تھیں۔ سیکشن کمانڈر دیو ہوئی آخری چکر لگا کر پیچھے جا چکا تھا۔ خندقیں آدھی سے زیادہ ٹوٹ چکی تھیں اور دشمن کی کمک بڑھ رہی تھی اور دوسری توپوں کے جواب میں ان کی آرٹلری کے پاس پرانی اور چھوٹی چھ انچ دہانے کی توپیں تھیں۔ دشمن کی صفیں تیزی سے بڑھ رہی تھیں اور غیر مانوس وردیوں والے سپاہی پانچ سو گز کے فاصلے پر حرکت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ نمبر 129 رجمنٹ کی خندقوں میں چھ مشین گنیں تھیں اور ابھی تک تمام چل رہی تھیں۔

اندھیرا ہونے میں ابھی دو گھنٹے تھے اور ڈھلتے ہوئے سورج کی دھوپ گرد اور بارود کی وجہ سے زرد مٹیالے رنگ کی ہوئی تھی۔ گزشتہ رات کی گری ہوئی برف پر چلنے والی تیز سرد ہوا کے ساتھ خون اور بارود کی بو اور زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں سب طرف پھیل رہی تھیں۔ بھاری آرٹلری فائر کی خوف ناک' مسلسل آواز سے سپاہیوں کے کان پک گئے تھے اور دن رات کی گولہ باری سے وہ سست اور بیزار ہو چکے تھے۔

''پیٹی لگاؤ۔'' ٹھاکر داس چیخا۔ دو سپاہیوں نے تیزی سے آخری پیٹی بھرنا ختم کی اور میگزین میں فٹ کرنے لگے۔

''بس؟'' ٹھاکر داس نے تشویش سے خالی پیٹیوں کے ڈھیر کو دیکھا۔

''رحم دین لینے گیا ہے۔''

''ابھی تک نہیں لوٹا؟''

''نہیں۔''

''تم جاؤ۔''

ریاض نے ہچکچاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

''جاؤ۔ ایک گن رہ گئی ہے۔ چوہے کی طرح مرنا چاہتے ہو؟''

وہ پیٹ کے بل باہر نکل گیا۔

ٹھاکر داس اور نعیم نے مشین گن کی نالی کے اوپر سے آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی دشمن کی صف کو دیکھا اور ان کی پشت پر خوف کی سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ جھک کر چلتے ہوئے وہ دوسری مشین تک گئے۔ اس میں آدھی چلی ہوئی پیٹی لگی تھی اور 'مرائی ناؤ' کے پاس چھ غلیظ' بدنما چہروں والے سپاہی مرے پڑے تھے۔ ٹھاکر داس نے لبلبی کو دبا کر دیکھا۔

''جام ہو گئی... ایک بھی نہیں چلتا۔''

''ایک آنچ تو کبھی بھی نہیں ہلتا۔''

''مذاق مت کرو۔''

اسی طرح چلتے ہوئے وہ پہلی جگہ پر لوٹ آئے۔

''ہم اسے نہیں لگا سکتے؟'' نعیم نے ادھ چلی پیٹی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ نہیں لگ سکتی۔ تمہیں پتہ نہیں؟ ایم جی کا تمہیں کیا پتہ ہے؟''

''پتہ ہے۔''

''پھر۔''

''یونہی پوچھا تھا۔''

ٹھاکر داس ایک خالی پیٹی اٹھا کر جھاڑنے لگا۔

ایک گولہ خندق سے تیس گز کے فاصلے پر گرا اور ذرا سا کٹ کے ریاض اڑتی ہوئی مچھلی کی طرح پلٹ کر گرا اور چت ہو گیا۔ ان دونوں نے کھڑے کھڑے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ دوسرا گولہ ان کے منہ کے آگے تین فٹ پر آ کر پڑا اور مٹی کی اڑتی ہوئی دیوار نے ٹھاکر داس کو پاؤں پر سے اٹھا کر چار فٹ دور پھینک دیا۔ سوندھی گیلی مٹی اس کے منہ' ناک اور آنکھوں میں بھر گئی۔ چند سیکنڈ تک وہ سن پڑا رہا' پھر آہستہ آہستہ اٹھا' انگلی پھیر کر حلق صاف کیا۔

UrduPhoto.com

ناک سنکی اور آنکھیں مل کر کھولیں۔ نعیم اپنی جگہ پر مبہوت کھڑا تھا۔

"کیا حال ہے؟" ٹھاکر داس نے پوچھا۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

"مجھے بھی کچھ نہیں ہوا۔ میں نے کئی بار مٹی چکھی ہے۔" وہ ہنسا۔ "مگر ناک میں یہ تکلیف دیتی ہے بھینچو۔" اس نے انگلیوں سے دبا کر ناک صاف کی اور لاپروائی سے گولے کے بنائے ہوئے بارہ فٹ گول گڑھے کو دیکھتے ہوئے گھٹی آواز میں بولا: "حیرت کی بات ہے۔ میدانِ جنگ میں بارود بعض دفعہ عجیب سلوک کرتا ہے۔"

"خندق تباہ ہو گئی۔" نعیم نے بیزاری سے کہا۔

تیسرا گولہ ذرا دور آ کر گرا اور باریک مٹی کی بارش نے انہیں ڈھک دیا۔

"سور، بیٹھنے بھی نہ دیں گے۔" ٹھاکر داس نے کائی سے بڑھ کر مشین گن اٹھائی اور مردہ سپاہیوں کے ڈھیر کے پاس جا کر رکھ دی۔

"بارود نہیں آئے گا۔ ریاض بھی گیا۔" اس نے آنکھوں کے کونوں میں سے نعیم کو دیکھا۔

نعیم نے رائفل کا سلنگ کندھے پر جمایا اور اچک کر باہر نکل آیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اس کے اوپر گولیوں کی چھت بنی ہوئی تھی۔ وہ گھٹنوں اور کہنیوں کی مدد سے آگے بڑھنے لگا۔ ریاض چھ فٹ گہرے گڑھے میں بازو اور ٹانگیں [illegible] کھلی تھیں، پیٹ کھل گیا تھا اور باہر لٹکتے ہوئے انتڑیوں کے ڈھیر میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ نعیم نے رک کر جھانکا۔ گڑھے میں سے تازہ مٹی، بارود اور انتڑیوں کی بھاپ کی ملی جلی بو آ رہی تھی۔ جاتے جاتے آخری بار مڑ کر اس نے اس کے خوفناک طور پر اینٹھے ہوئے چہرے کو دیکھا جس کی ٹھوڑی، جبڑے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے اوپر اٹھ آئی تھی۔ وہاں سے بیس قدم کے فاصلے پر رحم دین پڑا تھا۔ گولی اس کی گردن میں لگی تھی اور خون بہہ بہہ کر اس گڑھے میں جمع ہو رہا تھا جو اس کے سر رگڑنے سے زمین میں بن گیا تھا۔ وہ ابھی تک زمین میں آہستہ آہستہ ایڑیاں مار رہا تھا۔ نعیم نے کندھے سے پکڑ کر اسے سیدھا لٹا دیا۔ موت کا سایہ زرد، بے جان چہرے پر لہرا رہا تھا لیکن وہ بالکل درست حالت میں تھا اور اس پر بچوں کی سی معصومیت تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر کسی کو خیال نہ آ سکتا تھا کہ یہ شخص مر رہا ہے۔ نعیم نے کان لگا کر سنا۔ وہ باریک، کمزور آواز میں کہہ رہا تھا۔ "لے چلو۔ چھوڑ کے نہ جاؤ...... آ آ...... آ بھائی۔" وہ کروٹ پر ہو گیا اور تیزی سے ایڑیاں رگڑنے لگا۔ "چھوڑ کے نہ جاؤ۔ بھائی آ......" اس نے زبان نکال کر شبنم آلود گھاس کو چاٹا۔

نعیم کا جی متلانے لگا۔ اس نے برف کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا اور اسے چوستا ہوا آگے روانہ ہوا۔

جنگل کی اوٹ میں اس پھونس کے جھونپڑے کے اندر تین سپاہی تیزی سے پیٹیاں بھر رہے تھے۔ ایک طرف گولیوں کے کریٹ اور دوسری طرف خالی پیٹیاں رکھی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ نعیم دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ جھونپڑا پائن کے تنوں پر کھڑا تھا اور چھت سے گھاس کی داڑھیاں لٹک رہی تھیں۔ اندر

UrduPhoto.com

گیلی گھاس اور مٹی کے تیل کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ آہٹ سن کر تینوں سپاہیوں نے رائفلیں اٹھائیں اور گھٹنوں پر کھڑے ہو گئے۔

''فرینڈز'' نعیم نے کہا ''پیٹیاں تیار ہیں؟''

''بڑی دیر سے کوئی نہیں آیا، ہم جرمنوں کا انتظار کر رہے تھے۔''

''شاباش۔''

اس نے تین پیٹیاں اٹھا کر کندھے پر ڈالیں اور باہر نکل آیا۔

جب وہ خندقوں کے قریب پہنچا تو تین مشینیں خاموش ہو چکی تھیں۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے پکارا: ''فرینڈز بارود؟''

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ صرف ایک کے پاس سے آہستہ آہستہ کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔ ''فرینڈ..... فرینڈ آؤ۔''

''بارود؟'' اس نے پھر پوچھا۔

چوتھی مشین جو چل رہی تھی اس پر ایک سپاہی بیٹھا تھا۔ وہ مڑے بغیر برہمی سے بولا ''اپنے مورچے پر جاؤ۔ ہمارے اندر کافی بارود پہنچ چکا ہے۔''

UrduPhoto.com

چاندنی [illegible] اور کہا۔ ''وہ آ گئے۔''

''کون؟'' ٹھاکر داس نے سراسیمگی سے پوچھا۔

تین سو گز پرے وہ رائفلیں ہاتھوں میں اٹھائے تیزی سے دوڑے چلے آ رہے تھے۔

''سور.....'' ٹھاکر داس کراہت سے چیخا اور لبلبی پر انگلی رکھ دی۔ گولیوں کی بارش صحیح مقام پر ہوئی۔ چاند کی روشنی میں ایک سپاہی بازو پھیلا کر اوندھے منہ گرا اور سیاہ جسم دور تک لڑھکتا ہوا چلا گیا۔ ساری لائن نے سر کے بل زمین پر گر کر فائر کھول دیا۔

''جاؤ... اور پیٹیاں.....'' ٹھاکر داس نے رک رک کر فائر کرتے ہوئے کہا۔

نعیم ایک لمحے کو ٹھٹکا، پھر اچک کر خندق سے باہر نکل آیا۔ چند گز کے فاصلے پر جا کر وہ اچانک ٹھہر گیا اور گال زمین پر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر مڑا۔

''حوالدار'' اس نے پکار کر کہا۔

''کیا ہے؟''

''حوالدار ہمیں۔ ری ٹریٹ نہیں کرنا چاہیے؟''

ٹھاکر داس لبلبی پر انگلی رکھے مڑا۔ ''ہا میں؟ کیا کہا؟ یہ تمہارا گھر ہے۔ یہ۔ سنا؟ بھول جاؤ کہ تم واپس بھی جا سکتے ہو۔ بھول جاؤ۔ جاؤ۔''

نعیم نے دل میں اسے گالی دی اور آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔ پیٹھ پر سے گزرتی ہوئی گولیوں کی ہوا اس نے گردن پر محسوس کی۔

جھونپڑے میں سے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔ اونچی' بچوں کی سی بے ساختہ ہنسی۔ وہ آہستہ سے دروازے میں جا کھڑا ہوا۔ سامنے بیٹھا ہوا سپاہی سر پیچھے پھینک کر ہنس رہا تھا۔ اس کی گردن کی رگیں پھول گئی تھیں اور لمبے بال پشت پر لٹک رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے نعیم کا جی چاہا کہ وہ اسی طرح ہنستا رہے' بار بار ہنسے۔

ہنسنے والے نے اسے دیکھا۔ "لانس نائیک' تم ابھی زندہ ہو؟ تمہاری مشینیں تو ساری خاموش ہو چکیں؟" وہ لاپروائی سے بولا۔

"اتنے خوش کیوں ہو رہے ہو؟" نعیم نے تلخی سے کہا اور پیٹیاں اٹھانے کو جھکا۔

"یہ ہمیں اپنے تیلی کا قصہ سنا رہا تھا جو لوگوں کی گائیں اغوا کر کے لایا کرتا تھا۔"

"فضول قصے بند کرو۔ وہ پھر چڑھ آئے ہیں۔"

تینوں سپاہیوں کے چہرے منجمد ہو گئے۔

"ہمیں پتہ ہے۔ پتہ ہے۔" ہنسنے والے نے گولیوں کا کریٹ اوندھا کرتے ہوئے درشتی سے کہا۔ پھر یکلخت وہ مڑا اور پوری آواز سے چلایا۔ "اور اب بھی ہم بات نہیں کر سکتے؟ اب بھی؟ ہمارے ہاتھ پک گئے ہیں۔ دیکھو۔ یہ دیکھو [illegible] گئے ہیں۔"

دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلائے وہ پاگلوں کی طرح سب کو دیکھ رہا تھا۔ نعیم نے نظریں چرا کر پیٹیوں کا وزن ایک جھٹکے سے کندھے پر سنبھالا اور باہر اندھیرے میں نکل آیا۔

گولیوں کی زد میں پہنچ کر وہ پیٹ کے بل ہو گیا۔ جرمنی کی مشینیں خاموش تھیں۔ اپنے پیچھے اسے ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اس نے رک کر دیکھا۔ ایک گولہ جھونپڑے پر آ کر گرا تھا جس سے وہ بیچ میں سے دو ٹکڑے ہو گیا تھا اور دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ سانس روکے وہ انتظار کرتا رہا۔ کوئی متنفس باہر نکلتا دکھائی نہ دیا۔ پھر ایک زبردست دھماکے سے بارود کے کریٹ پھٹے اور پائن کے جلتے ہوئے تختے دور دور تک اڑ گئے۔ شمال کی طرف سے چلنے والی ہوا نے جلتے ہوئے انسانی گوشت کی بو سارے میں پھیلا دی۔ نعیم کے سینے میں ایک بھاری' بدمزہ سی شے کلبلائی اور اس نے دھیرے دھیرے بےدلی سے رینگنا شروع کر دیا۔

چاند کی روشنی میں چمکتا ہوا تھا کر داس کا خود اس نے دور سے دیکھ لیا' ساتھ ہی اس کی پتلی' تیز سیٹی کی آواز اس کے کان میں آئی۔ دشمن کی طرف سے گولیاں آنا بند ہو گئی تھیں۔ صرف آرٹلری دونوں جانب سے مصروف تھی۔ وہ خندق سے چند قدم کے فاصلے پر تھا جب اس نے جرمنوں کی پوری لائن کو دو سو گز پر تیزی سے اٹھتے اور چڑھائی کرتے ہوئے دیکھا۔

"پیٹیاں لے آئے؟" دشمن سے بےخبر تھا کر داس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

خندق سے صرف دو قدم کا فاصلہ تھا۔ نعیم نے بڑھنا چاہا لیکن جلتی ہوئی نفرت اور حسد کا جذبہ غالب آ گیا۔

''نعیم تم زخمی ہو؟''

وہ خاموش پڑا رہا۔ ٹھاکر داس اچک کر باہر نکلا اور اس کی طرف دوڑا۔ گولیوں کی ایک بوچھاڑ ہوئی۔ ٹھاکر داس کے دونوں پاؤں زمین سے اٹھ گئے اور وہ ہوا میں ایک لمبی جست لے کر زمین پر گرا اور لوٹتا ہوا زور سے اس کے ساتھ آ ٹکرایا۔

''آ آ......آ'' مردہ' غیر انسانی آواز اس کے دانتوں کے بیچ سے نکلی اور وہ بے جان ہو کر سیدھا لیٹ گیا۔ خون کی ایک پتلی سی دھار نکل کر اس کی داڑھی میں جذب ہونے لگی۔ چاند اس کے تنے ہوئے غلیظ چہرے پر چمک رہا تھا۔

ایک لمحہ انتظار کئے بغیر نعیم مڑا اور پیٹ کے بل سانپ کی سی تیزی سے پیچھے جھپٹا۔ جرمنوں نے خندق پر گولیاں برسائیں اور قبضہ کر لیا۔

زد سے باہر آ کر وہ اٹھا اور پوری قوت سے بھاگنے لگا۔ آگے ان کی بیٹریاں کھڑی فائر دے رہی تھیں۔ اس نے فرسٹ ایڈ کے تھیلے سے سفید پٹی نکالی اور زور زور سے سر کے گرد گھمانے لگا۔ آفیسر نے فائر روکنے کا حکم دیا۔ بیٹری کے ایک گھوڑے کے سینے سے خون بہہ رہا تھا اور [illegible] ہوئے تھے۔

''فر[illegible] نعیم چلایا۔ [illegible] نعیم احمد [illegible] نمبر 139 [illegible] ڈی کمپنی سیکشن نمبر......''

''لائنس نائک [illegible] بولو۔''

''مورچے پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے۔ سب جوان ختم ہو گئے ہیں۔ مشین گنیں دشمنوں کے ہاتھ میں ہیں۔''

چاند کی روشنی میں آفیسر نے لرزاں انگلیوں سے اپنے سفید ماتھے کو چھوا۔ ''ایڈجوٹنٹ کو رپورٹ کرو۔'' اس نے کہا۔

نعیم نے بیٹری پار کی تو فائر پھر شروع ہو گیا۔ اس نے رک کر بیٹریوں کے اوپر سے میدان جنگ کو اور جلتے ہوئے جھونپڑے کو دیکھا۔ دھندلی' زرد رات میں بارود کا دھواں اور منجمد ہوا کی دھند آہستہ آہستہ جنوب کی طرف چڑھ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کی عمارت کی طرف چلا گیا۔

(۱۰)

وہ ایک سال تک بلجیم اور فرانس کے علاقوں میں لڑتے رہے۔ نعیم بیسیوں حملوں میں شریک ہوا جن میں وہ کامیاب ہوئے اور بیسیوں جن میں انہیں شکست اٹھانا پڑی۔ جنگ میں وہ خوش قسمت رہا۔ صرف ایک گولی اس کی چھوٹی انگلی سے رگڑتی ہوئی گزر گئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی شے اس کے جسم سے نہ ٹکرایا۔ اپنے مورچوں میں اور

دشمن کے مورچوں میں اس نے ہزاروں سپاہی مرتے ہوئے دیکھے۔ کسی کو آسانی کے ساتھ' کسی کو اینٹھ کر مرتے ہوئے۔ کسی کے چہرے پر سفیدی اور معصومیت ہوتی' کسی پر موت کی نیلاہٹ اور تکلیف۔ کسی کی آنکھیں زندہ آدمی کی طرح جاگتی ہوتیں۔ کسی کی اندھے شیشوں کی مانند ماتھے میں جڑی ہوتیں۔ کسی کی جیب میں خشک راشن اور چند گولیاں ہوتیں' کسی کے پاس بچوں اور خوبصورت لڑکیوں کی تصویریں اور ان کے سیاہ بالوں کے گچھے بطور نشانی کے ہوتے اور ڈائریاں! وہ سب پتھروں پر' خندقوں میں' خشک جوہڑوں میں' برف پر' کیچڑ میں مرے پڑے ہوتے۔ وقت ہوتا تو نعیم کسی نوجوان پُرسکون چہرے کے پاس رکتا' جیبیں ٹٹول کر تصویریں اور خط نکالتا' ان عورتوں کا خیال کرتا جو گاؤں کے باہر جوہڑ کے کنارے کھڑی کھڑی اپنے محبوب چہروں کے لئے ترس گئی ہیں اور نہیں جانتیں کہ ان کے عزیز' خوبصورت ہونٹ سرد کر دیے گئے ہیں اور جسم' جنہوں نے بے پناہ خوشی کی راتیں انہیں بخشیں ہزاروں میل دور خاک میں بکھرے پڑے ہیں اور وہ بے کار انتظار کرتی ہیں' ان کھیتوں کے بارے میں سوچتا جو نوجوان ہاتھوں کے بغیر ویران ہو گئے ہیں...... اور آگے بڑھ جاتا۔ جلد ہی وہ اب ان باتوں سے بے اثر ہو چلا تھا۔ اس کے باوجود اس تمام عرصے میں ایک خوف ناک بوجھ اس کے دل پر سوار رہا' یہ تھا کہ داس کا خیال تھا' دردناک احساسِ جرم۔ گو بعد میں آ کر وہ بہت کچھ سنبھل گیا لیکن کبھی کبھی پورے چاند کی رات میں خندق میں بیٹھے ہوئے کسی حملے کے دوران تھا کہ داس کا بھوت اس کے قریب آ کھڑا ہوتا: "اپنی خندق میں کسی کو مت مارو۔ میدان جنگ کے بچھو [illegible] گھوڑوں کی طرح پڑتے ہوئے الفاظ کو ذہن میں سے نکال پھینکنے میں کامیاب ہوتا۔ اس کے بعد کئی روز تک اس کے دماغ میں اُگ بولتے رہتے۔

سال کے وسط میں رجمنٹ کے مشرقی افریقہ جانے کے احکام صادر ہوئے اور ماہ جولائی کے ایک خوش گوار دن وہ واپس مارسیلز پہنچے۔ اگلے روز ان کو جہاز پکڑنا تھا۔

مارسیلز پر وہ دن اسی طرح خوش گوار اور چمک دار گزر رہا تھا۔ نعیم سڑک کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ لوگوں کے چہرے تروتازہ اور مسرور تھے۔ عورتیں بڑے گھیر والے خوش رنگ لباس اور بچے سفید نکریں پہنے پٹڑیوں پر آ جا رہے تھے۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا' مگر ہوٹلوں پر بھیڑ لگ چکی تھی اور ان کے رنگ برنگ شیشوں والے دروازوں پر روشنیاں جل رہی تھیں۔ مرد بڑے بڑے ہیٹ' کھلی قمیصیں اور تنگ پتلونیں پہنے کھڑے باتیں کر رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ عقب سے ایک دو گھوڑوں والی بگھی سڑک پر بگٹٹ بھاگتی ہوئی آئی۔ عورتوں نے ٹھٹک کر اپنے بچوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور مرد راستہ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ بگھی سبزی کے ٹوکروں سے لدی تھی اور ان پر ایک بوڑھا کسان پھوہڑ سا ہیٹ پہنے بیٹھا تھا۔ اس کے نوجوان لڑکے کے ہاتھ میں باگیں تھیں۔ گھوڑے تندرست اور منہ زور تھے اور ان کے نعلوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ چند قدم پر جا کر ڈھلوان سڑک پر ایک گھوڑے کے پاؤں پھسلے اور وہ چاروں ٹانگیں پھیلا کر پیٹ کے بل کئی گز تک پھسلتا چلا گیا۔ راہ گیر ٹھٹک کر رک گئے۔ چند عورتیں

کی ہلکی ہلکی چیخوں کی آواز بلند ہوئی۔ کسان کا لڑکا نیچے اتر کر گھوڑے کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ چند راہ گیر کسان رک کر اس کی مدد کرنے لگے۔ بوڑھا کسان سڑک پر بکھرے ہوئے چقندر چن چن کر ٹوکرے میں ڈال رہا تھا۔ گھوڑے کے نتھنے پھولے ہوئے تھے اور اس کی گرم نم دار سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

اچانک ہجوم کے اوپر نعیم کو ایک بھاری مانوس جسم دکھلائی دیا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا۔ وہ جسم ایک سکھ سپاہی کا تھا جو کندھے ڈھلکائے' جھومتا ہوا پٹڑی پر چلا جا رہا تھا۔ اس کی وردی میلی اور شکن آلود تھی اور سپاہی کے بجائے وہ جیل سے بھاگا ہوا قیدی معلوم ہوتا تھا۔ چند قدم اس کے پیچھے پیچھے چلنے کے بعد نعیم نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ سکھ سپاہی نے پلٹ کر دیکھا۔ چند سیکنڈ تک وہ اپنی سوئی سوئی' بے حس آنکھوں سے نعیم کو تکتا رہا' پھر کسان فوجیوں کے مخصوص انداز میں بولا:

''نعیم......تم ابھی زندہ ہو؟''

''مہندر سنگھ۔'' نعیم نے صرف [illegible] گرمجوشی سے مصافحہ کرتے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکراتے رہے۔

''رجمنٹ سے بھاگ آئے ہو؟'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے نعیم نے تمسخر سے پوچھا۔

''نہیں [illegible]''

''تم [illegible]''

''ہم [illegible] سے لوٹ رہے ہیں۔''

''رجمنٹ؟''

''نمبر 9 ہڈسن ہارس۔ انبالہ بریگیڈ۔''

''میں نمبر 129 بلوچ میں ہوں۔ فیروز پور بریگیڈ۔ تم کس محاذ پر تھے؟''

''ادھر......'' مہندر سنگھ نے بازو سے شمال اور مغرب میں غیر واضح سا اشارہ کیا۔

''کس سے؟''

''پہلے ترکوں سے۔ پھر جرمنوں سے۔''

وہ سڑک کے کنارے چلتے رہے۔ پٹڑی پر چلتے ہوئے بچے عجیب و غریب سکھ سپاہی کو دیکھنے کے لئے رک جاتے۔

''کھانا کھاؤ گے؟'' نعیم نے پوچھا۔

''کہاں؟''

''ہوٹل میں۔''

مہندر سنگھ نے ایک نظر اپنے آپ پر ڈالی اور داڑھی کھجا کر ہنسا۔ نعیم نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے سارے

چہرے کا جائزہ لیا۔ یہ کھوکھلی اور بے جان ہنسی تھی۔ وہ جس سے نعیم اس قدر واقف اس قدر مانوس تھا۔ اس سے اتنی مختلف تھی۔

"میں رجمنٹ کو جا رہا ہوں۔" مہندر سنگھ نے کہا۔ "چلو وہاں بیٹھیں گے۔ پاس ہی ایک بڑی اچھی جگہ ہے۔" وہ خاموشی سے چلتے ہوئے آبادی سے باہر نکل آئے۔ سورج غروب ہو رہا تھا اور سرخی مائل زرد، کمزور دھوپ اونچے نیچے ٹیلوں، درختوں اور چھوٹے چھوٹے کنکروں پر سے کھنچتی ہوئی مغرب میں سمٹتی جا رہی تھی۔

"تم بہت بدل گئے ہو۔" نعیم نے بوٹ کی ٹھوکر سے چند کنکر اڑاتے ہوئے آنکھوں کے کونوں میں سے مہندر سنگھ کو دیکھا۔ اس نے سڑک پر گرے ہوئے گھوڑے کی طرح پھنکار کے ساتھ سانس چھوڑا۔ "میں؟ اوہ۔ نہیں اتنی دیر کے بعد محاذ سے لوٹا ہوں۔ تھک گیا ہوں۔ آج نہاؤں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ دوبارہ کھوکھلی آواز سے ہنسا۔

"میرا خیال تھا جنگ تمہیں [illegible]۔" نعیم نے کہا۔ وہ خاموش رہا۔

شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں وہ ایک قبرستان کی چار دیواری میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف سیمنٹ اور اینٹوں کی قبریں تھیں اور اونچے اونچے کتبے، جن پر فرانسیسی زبان میں یادگاریں درج تھیں۔ سرخ اینٹوں کی دو تنگ پگڈنڈیاں قبرستان کے درمیان میں ایک دوسری کو کاٹتی تھیں۔ دونوں جانب خوبانی کے درخت تھے جو سفید پھولوں سے ڈھکے [illegible]۔

"پچھلے مہینے رمضان روشن پور سے بھرتی ہو کر آیا تھا۔" مہندر سنگھ سر جھکا کر چلتے ہوئے بولا۔

"کیا سناتا تھا؟"

"ایں..... کچھ نہیں۔"

"روشن پور کی کوئی بات.....؟"

"اس سال سیلاب آیا تھا۔ دریا نے بڑی تباہی کی۔ ساونی زیادہ تر تباہ ہو گئی۔" اس نے چلتے چلتے ایک سفید پھول توڑ کر سونگھا۔ "پھر جانوروں میں وبا پھیل گئی۔ خصوصاً 'موکھر' سے بہت جانور مرے۔ لیکن میری جوڑی جوگندر سنگھ نے پہلے ہی بیچ دی تھی۔ گھوڑی اور بھینس وبا میں مر گئیں۔ نیاز بیگ خوش قسمت رہا۔ اس نے سارے جانور بیماری سے پہلے بیچ دیے تھے۔ اس کی فصل بھی بچ گئی۔

"رمضان کا کوٹھا بارشوں میں گر گیا اور اناج سارا بہہ گیا تو وہ فوج میں بھرتی ہو گیا۔ کرم سنگھ بمبئی چلا گیا تھا۔ سنا ہے مل میں کام کرتا ہے۔ فقیر دین کی بہو بھاگ گئی ہے۔ اس کا لڑکا ہمارے ساتھ محاذ پر تھا، تیسرے مہینے میں مارا گیا۔ وہ اور کیا کرتی۔"

وہ دیر تک تاریک راستوں پر چلتے اور باتیں کرتے رہے۔ گاؤں کی باتیں کرنے سے مہندر سنگھ کی آنکھوں میں نامعلوم سی چمک آ گئی تھی اور وہ اپنے پرانے، پھرتیلے انداز میں سنبھل کر چل رہا تھا۔

UrduPhoto.com

"ہمارے بعد پولیس بس دو ایک بار گاؤں میں آئی۔ پچھلے چھ ماہ میں بہت سی لڑکیاں جاٹ نگر کے لونڈوں کے ساتھ بھاگ گئیں۔ اشتمال بھی ہوا۔ ہمارا ہو کا کھیت تمہارے جوہڑ کے کھیت کے بدلے میں ہو گیا ہے۔ اچھا ہو گیا ہے نا؟ ایک جگہ پر بیائی کرنے سے بڑا بچاؤ رہتا ہے۔ ورنہ ایک سے دوسرے کھیت کا فاصلہ آدھے میل کا ہو تو جانور راستے میں ہی رہ جاتا ہے۔ اشتمال میں سب کا فائدہ ہوتا ہے۔ ہمارا ہو کا کھیت برا نہیں ہے۔ تمہارے کھیت سے اچھا ہی ہوگا۔ فکر نہ کرو۔ سب کا فائدہ ہوتا ہے۔"

گاؤں کی باتیں ختم ہو گئیں تو وہ خاموش ہو گئے۔ قبرستان میں تاریکی تھی اور سکون۔ وہ دونوں چپ چاپ ہاتھ پیچھے باندھے، سر جھکائے سیدھے تاریک راستوں پر آتے اور جاتے رہے۔ کبھی کبھی چند خشک پتے اور پھل ہوا کے زور سے ٹوٹ کر اینٹوں پر آ گرتے اور ان کے پاؤں تلے چرچرا کر ٹوٹ جاتے۔ کبھی وہ واپس آتے ہوئے پکا راستہ چھوڑ کر درختوں کے نیچے نیچے چلنے لگتے اور وہ پُراسرار آواز بڑھ جاتی۔ سیاہ تنوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے خوبانی کی جھکی ہوئی شاخیں ان کے چہروں سے ٹکرائیں اور سفید سفید پھول آدھی رات کی برف کی طرح اندھیرے میں آہستگی سے ان کے بالوں اور آنکھوں پر گرتے۔ اندھیرے، سایہ دار راستوں پر قبروں کے درمیان چپ چاپ چلتے ہوئے وہ پرانے زمانے کے دو بھوت معلوم ہو رہے تھے جنہوں نے رات کے مقررہ وقت پر اپنی اپنی قبروں سے نکل کر خاموشی سے ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا تھا اور اب اپنے دوست درختوں، خشک پتوں، کتبوں اور سفید پھولوں کے درمیان نکل آتے ہیں اور اپنے دلوں میں دوستی اور رفاقت کا وہ جذبہ محسوس کر رہے تھے جو سالہا سال کی ہمسائیگی کے بعد خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ نعیم نے رات کے اس پہر کے قبرستان کے سفید پھولوں کے اور اپنے وجود کے اس اسرار کو بے حد واضح اور شدید طور پر محسوس کیا۔ اسے لگا کہ ابھی کچھ دیر میں وقت مقررہ پر وہ اور اس کا رفیق بھوت خاموشی سے ایک دوسرے کو الوداع کہیں گے اور اپنی اپنی قبروں کو لوٹ جائیں گے۔

"تم زخمی ہوئے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"نہیں؟" دفعتاً رک کر نعیم نے رات کی مدھم روشنی میں اس کے بھاری، ڈھلکے ہوئے جسم اور اندھے شیشے کی سی مری ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔ "پھر کیا ہے۔ تم بیمار ہو؟ ایں؟"

مہندر سنگھ نے بیزاری سے اسے دیکھا اور کندھے اچکا کر بولا:

"میں ٹھیک ہوں۔"

"تم ٹھیک نہیں ہو۔ مجھے تکلیف پہنچی ہے دیکھ کر۔"

وہ ایک بوڑھے شہ زور بیل کی طرح نعیم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

"دیکھو، مہندر سنگھ،" نعیم ایک تنے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "تم میرے دوست ہو۔ میں

تمہاری بات سنوں گا۔ مجھے بتاؤ تمہارے دل پر کیا ہے۔ بتاؤ تم مجھے ایک مردہ آدمی کی طرح دکھائی دے رہے ہو۔"

مہندر سنگھ نے بے تابی سے اِدھر اُدھر دیکھا' کچھ کہنا چاہا لیکن رک گیا' پھر بولنا چاہا اور رک گیا۔ وہ اس گھوڑے کی طرح تھا جو چھٹی حس کی مدد سے چند قدم پر چھپے ہوئے خطرے کو پہچان کر سوار کے بار بار چلانے کے باوجود اپنی جگہ پر رکا رہتا ہے۔ اس نے ایک بار پھر بے چینی سے سارے جسم کو جنبش دی اور خفگی سے بولا: "کیا پوچھتے ہو۔ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ محاذ پر بہت سے خون دیکھے ہیں' صرف تھک گیا ہوں۔ بہت زیادہ۔"

وہ بھاری فوجی قدموں سے جا کر ایک بڑی سی قبر پر بیٹھ گیا۔ اس کی رائفل کی دھات کے پتھر کے ساتھ ٹکرانے سے قبرستان کی خاموش فضا میں ایک ناخوشگوار آواز پیدا ہوئی۔

"تم نے بہت خون کیے ہیں؟" نعیم نے پوچھا۔

"کیوں؟ تم نے نہیں کیے؟"

"میں نے؟" اسے اس سوال کی توقع نہ تھی۔ ایک تیز ہوا کا جھونکا قبرستان کے تاریک کونے میں سے ابھرا اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔ انتہائی کوشش سے نعیم نے اس پر سے نظریں ہٹائیں اور مہندر سنگھ کے سیاہ مہیب جسم کو دیکھنے لگا۔ وہ سر جھکائے' قبر پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا۔

"لیکن میں نے کبھی نہ سوچا تھا کہ تم اتنے بدل جاؤ گے۔" نعیم نے کہا۔

"کیوں [illegible] تھا۔" "کیا تم نے آسانی سے......"

"لیکن مہندر' تم اتنی آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ یاد ہے جب ہم......؟"

"وہ اور بات تھی۔ ایک بھیا بھی اپنے بھائی کا اور اپنے خاندان کا بدلہ لے سکتا ہے۔ یہاں پر بالکل دوسری بات ہے۔" وہ اندھیرے میں نعیم کی طرف جھکا۔ "قتل...... خون کا بدلہ خون۔ اس کے لئے ہمارا خون جوش مارتا ہے' ہم تیاری کرتے ہیں۔ مگر یہاں؟...... جیسے سور کو یا بیل گائے کو مار دیا۔ بس مار دیا۔ لیکن اس کی ایک حد ہوتی ہے۔ آخر ہم تنگ آ جاتے ہیں۔ تھک جاتے ہیں۔" اس کی بھاری' بخار زدہ آواز سے نعیم کو اندازہ ہوا کہ وہ واقعی بہت زیادہ تھک چکا تھا۔ اس نے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔

"تمہیں پتہ ہے ہم کیوں لڑ رہے ہیں؟" اچانک مہندر سنگھ نے پوچھا۔

"جرمنوں نے حملہ کیا ہے۔"

"کہاں؟ روشن پور پر؟"

"یہاں......"

"پر ہم یہاں کیوں ہیں' ہم کس لئے آئے؟"

"جرمن انگریزوں کے دشمن ہیں اور انگریز ہمارے مالک ہیں۔ بس۔"

UrduPhoto.com

"ہمارے مالک روشن آغا ہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں۔"

"انگریز روشن آغا کے مالک ہیں۔ چنانچہ۔"

"کل کتنے مالک ہیں۔ ایک دفعہ بتاؤ۔" وہ ایک دم چڑ کر بولا۔ نعیم کے گلے میں کوئی چیز آ کر اٹک گئی۔ اس نے سگریٹ کا کش لیا اور فوراً دھواں اگل دیا۔ سگریٹ اس کی انگلیوں میں روشنی کی مدھم سی شعاع چھوڑتا ہوا جلتا رہا۔ رات کی سیاہی انہیں چاروں طرف سے ڈھانپے ہوئے تھی اور بیچ میں خوبانی کے پھولوں کی سفیدی دبی دبی چمک رہی تھی۔ جیسے اندھیری رات میں برف گری ہوتی ہے۔

"ہم یا تو مر جائیں گے یا واپس چلے جائیں گے۔ یہاں پر کوئی نہ رہے گا۔ ہم اپنی فصلیں کھیتوں میں چھوڑ کر اسی لئے آئے تھے کہ سینکڑوں آدمیوں کی جان لیں اور گندگی میں لوٹیں؟ مینڈک جو جاڑے آنے پر کیچڑ میں گھس کر سو جاتا ہے؟ مجھے اپنے آپ سے بو آ رہی ہے۔ جوؤں نے میرے سر میں سوراخ کر دیے ہیں۔" وہ کتبے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ "یقین کرو نعیم میں تنگ آ چکا ہوں۔ ایک گاؤں ہم نے فتح کیا۔ وہاں ایک عورت میرے ہاتھ لگی۔ چار گھنٹے تک وہ میرے پاس رہی لیکن ڈر کی وجہ سے میں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا۔ اتنی دیر سے میں نے دودھ نہیں پیا۔ [illegible] ابھی نہیں۔ میں ختم ہو چکا ہوں۔"

وہ مرتے ہوئے آدمی کی آواز میں بھاری، ٹوٹی ہوئی کراہ کے ساتھ بول رہا تھا۔ نعیم کا حلق ابھی تک صاف نہیں ہوا تھا۔ [illegible] ساتھیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جیسے پائن کے جنگلوں میں ہوا چلتی ہے یا جیسے کان کے قریب سے گولیاں گزرتی ہیں۔

"پتہ ہے میں یہاں کیوں آتا ہوں۔ یہ جگہ مجھے پسند ہے۔ یہاں شریف اور دیانت دار لوگ دفن ہیں۔ یہ میں نے محسوس کیا ہے۔ ان کے کتبے، ان کے نام، ان کی تاریخیں۔ یہ ہم لوگوں کی طرح بددیانتی کی موت نہیں مرے۔ وہ موت میں نے دیکھی ہے۔ اپنا اپنا مقدر ہے۔"

دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "لیکن ایک بات اچھی ہے۔ ان وقتوں میں ہم ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ کون کب مر جائے۔ کیا پتہ۔ خدا حافظ۔"

چند طویل لمحوں تک وہ نعیم کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کندھے پر رائفل کو ٹھیک کیا اور بھاری سیاہ جانور کی طرح جھول کر چلتا ہوا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

(11)

سر سے اوپر لٹکتی ہوئی سرخ گھاس میں سنگین لگی رائفل کی مدد سے راستہ بناتے ہوئے آخر کار وہ پانی کے کنارے پر آ نکلے۔ یہ ایک چھوٹی سی جھیل تھی جو جنگل کو دو حصوں میں جدا کرتی تھی۔ اس سے پرے پھر جنگل کا

سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

سیاہ اور سنہرے جنگل کے اوپر سورج غروب ہو رہا تھا اور سرخ دھوپ نے پانی میں آگ لگا رکھی تھی۔ جھیل کی سطح پر تین مرغابیاں تیر رہی تھیں۔ گھاس میں سے سپاہیوں کی قطار کو نمودار ہوتے دیکھ کر وہ پھڑ پھڑ کر اڑیں۔ ان کے پروں سے پانی کے قطرے چاندی کے دانوں کی طرح گیلی گھاس پر برسے اور ڈوب گئے۔ سپاہیوں کے سروں پر ایک چکر لگانے کے بعد خوش وضع، مخملیں پرندوں نے آتشیں مغربی آسمانوں کی طرف رخ کر لیا۔

اوہ...... اوہ۔'' لانس نائیک تیجن نے گہرا تھکا ہوا سانس چھوڑا اور ٹوپی اتار کر چہرہ پونچھنے لگا۔ اس کے ماتھے اور گالوں پر بے شمار ننھی ننھی خراشیں آ گئیں تھیں اور ان پر خون کے باریک سیاہی مائل قطرے جمے ہوئے تھے۔ اس نے اونچی آواز میں گالی دی۔

''نشتر کی طرح تیز ہے......''

نعیم آنکھیں سکیڑ کر سامنے والے جنگل کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک بے حد خوف زدہ ہو کر اس نے اپنے پاؤں پر نظر ڈالی جو آہستہ آہستہ دلدل میں اتر رہے تھے۔ دو تین چھوٹے چھوٹے جھٹکوں کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو باہر نکالا اور پوری قوت سے چلایا۔

''ری ٹریٹ۔''

جوان کوے، گرتے، بکھرے، فوراً ہی ترتیب میں ہو کر گھاس میں غائب ہو گئے۔

''کیا [illegible] ٹوپی [illegible] کے لئے اس نے ٹوپی آنکھوں پر کھینچ رکھی تھی۔

''عجیب مقام ہے۔'' تیجن نے پھر گالی دی اور سخت بیزاری سے لمبی، تیز دھار گھاس کو دیکھا جو بلا در د اس کے چہرے کو کاٹ رہی تھی۔ ''یہ گھاس میں نے پہلی بار دیکھی ہے۔ اسے کیا کہتے ہیں؟''

''دلدل۔'' نعیم نے بتایا۔

سپاہیوں کی قطار رائفلیں سنبھالے پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ گھاس نے چاروں طرف اندھیرا کر رکھا تھا اور زمین میں سے گیلے پتوں کی سڑاند اٹھ رہی تھی۔ تیجن نے انگلی سے ابرو پر لٹکتا ہوا خون کا قطرہ پونچھا اور آنکھوں کے قریب لا کر دیکھا۔

''میرا خون سیاہ ہو گیا ہے۔''

''ایں؟''

''یہ دیکھو۔''

''کیا دیکھوں؟'' نعیم آگے آگے چلتا ہوا بولا۔ ''رات میں سب چیز سیاہ ہو جاتی ہے۔''

''نہیں، میں نے دن میں بھی دیکھا ہے۔ پار سال فرانس میں میں زخمی ہوا تھا تو سرخ خون نکلا تھا۔ اب کالا ہو گیا ہے۔''

نعیم زیر لب ہنسا۔

"پتہ ہے یہ مچھروں کا خون ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" نعیم نے خشک لہجے میں کہا۔

"کل میں نے ایک مچھر مارا تھا۔ اس کا اسی طرح کا کالا خون تھا۔ پھر مجھے پتہ چلا یہ مچھروں کا خون ہے جو دن رات کاٹتے رہتے ہیں۔" وہ ہنسا۔ کھوکھلی، زبردستی کی ہنسی جو زیادہ دیر تک میدان جنگ میں رہنے سے اکثر مرد ہنسنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

دائیں جانب سے گھاس میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور زرد اور کالی دھاریوں والا ایک لمبا جسم ان کے سامنے سے نکل کر بھاگا۔ پیشتر اس کے کہ کوئی فائر ہوتا درندے نے بجلی کی سی تیزی سے جست بھری اور ایک جوان کو دبوچ لیا۔ اس کی پشت پر شانوں کے درمیان دانت گاڑے وہ کئی طویل، کربناک لمحوں تک اسے نوچتا رہا۔ کئی سپاہیوں نے ایک ساتھ شست باندھی لیکن گولی چلائے بغیر تذبذب کے عالم میں کھڑے رہے۔ ان کا ساتھی بھی خطرناک حد تک گولی کی زد میں تھا۔ شیر کے نیچے وہ ناتوانی سے جھرجھرایا اور زخمی بھیڑیے کی طرح چیخا۔

"فائر...... "آخر کار نعیم چیخا۔ "فائر۔"

چند گولیاں چلیں اور درندے نے اپنے شکار کے اوپر ہی دم توڑ دیا۔

شام پڑ چلی تھی جب تھکے ماندے بیزار، غلیظ سپاہیوں کی قطاریں جنگل میں سے برآمد ہوئیں۔ یہ ایک چھوٹا سا ریگستانی تھا جو جنگل کو دو حصوں میں جدا کرتا ہوا میلوں تک چلا گیا تھا۔ یہاں ان کا کیمپ لگا تھا۔ جرمنوں کے مورچے [illegible] ہوئے انہیں دو ماہ ہو چلے تھے۔ یہ مشقیں انہیں خاص طور پر 'افریقی جنگ' سے واقف کرانے کے لئے کی جا رہی تھیں۔ افریقہ کی خصوصی گھاس کی جنگ۔ گھاس جو نیلی اور سرخ اور زرد اور ہر رنگ کی تھی اور تیز دھار اور خونخوار تھی۔ گھاس کی جنگ کا اصول "پہلے گولی مارو، بعد میں معافی مانگو۔" سپاہیوں کو ذہن نشین کرایا جا رہا تھا۔ آب و ہوا شدید گرم اور مرطوب تھی اور انگریز اور فرانسیسی بٹالینوں کی حالت جلدی بیماریوں کی وجہ سے بہت خراب تھی۔ رات کو بے شمار بڑے بڑے اور زہریلے مچھر نکل آتے جو کسی سپاہی کو ایک وقت میں پانچ منٹ سے زیادہ سونے نہ دیتے۔ جوان واضح طور پر کمزور ہو رہے تھے۔ حملے کے غیر معین مدت کے لئے ملتوی ہو جانے سے ان کے اعصاب مستقل کشیدگی کی حالت میں تھے۔ ہر قسم کی بیماریاں سپاہیوں اور جانوروں میں پھیل رہی تھیں اور ان کا "مورال" تباہ ہو چکا تھا۔ اتحادیوں کو بڑی مدد ان افریقی یونٹوں سے ملی جو مقامی لوگوں کو بھرتی کر کے بنائی گئی تھیں۔ حبشی بے حد جفاکش بظاہر موسم اور مچھروں سے بے اثر اور گھاس کی جنگ کے ماہر تھے۔ ان کے ساتھ اسی جنگل میں حبشی پلٹنوں کے علاوہ نمبر 29 پنجاب، نمبر 25 رائل فیوزلرز اور ایک بٹالین کیپ کور (Corps) کی تھی۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ جب بھی یونٹ کا کوئی سپاہی بیمار ہو کر سانپ کے کاٹنے سے یا درندوں کے ہاتھوں مرتا تو وہ دیر تک جاگتے رہتے۔

"جاگ رہے ہو؟" نعیم نے تاریکی میں کروٹ بدل کر پوچھا۔

"مچھروں کی بدولت۔" جن نے مخصوص، کھوکھلے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"تم نے قمیض سی لی ہے؟"

"ہاں۔ اب تھوڑی سینے کی فکر میں ہوں۔"

"کس قدر بدبودار ہے۔" نعیم نے دل میں مچھر کے تیل کو کوسا۔

وہ اندھیرے میں چپ چاپ آنکھیں کھولے لیٹے تھے۔ مچھر ہزاروں کی تعداد میں ان کے کانوں پر چکر لگا رہے تھے۔ تجن نے پیٹھ پر اس کانٹھ کو محسوس کیا جو قمیض سینے سے بن گئی تھی۔

"حوالدار......" وہ ہولے سے پکارا۔

"ہوں......"

"یہ فضول موت نہ تھی؟"

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر نعیم نے کہا: "عام موتوں کی طرح تھی۔"

"تو سب موتیں فضول ہوتی ہیں؟"

"نہیں۔ اررر...... شاید کچھ موتیں فضول نہیں ہوتیں۔ موت سے آدمی مر جاتا ہے۔"

کافی دیر کے بعد تجن نے بھاری، مغموم آواز میں صرف اتنا کہا: "ہاں۔"

پھر اس نے سگریٹ سلگایا اور دیر تک جلتی ہوئی تیلی کو ہاتھ میں پکڑے بڑے بڑے مچھروں کو جل کر گرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ "یہ ہوا کی مانند ہیں جو کونے کونے میں بھری ہے۔" اس نے سوچا۔

"[illegible]"

"نہیں۔" تجن نے بے چینی سے کروٹ بدلی۔ "پتہ نہیں نعیم، مجھے لگتا ہے کہ...... یوں میں بزدل نہیں ہوں، مگر اس طرح جب کوئی مرتا ہے تو میرا دل رونے کو چاہتا ہے۔"

"اچھا!"

"یہ قدرت کی برتر طاقتیں ہیں جو کبھی کبھی میں محسوس کرتا ہوں کہ جانے کیوں۔" وہ بے چینی سے اپنی جگہ پر ہلا۔

"تجن۔" نعیم اس کی طرف جھکا۔ "تم نے کتنے آدمی مارے ہیں؟"

"نہیں۔" اس نے بازو ہوا میں ہلایا اور اونچی، بے چین آواز میں بولا۔ "اس کا کوئی سوال نہیں۔"

گشت والے سپاہی نے سر خیمے کے اندر داخل کر کے کہا: "آرام کرو...... آرام کرو......" اور آگے بڑھ گیا۔

"حوالدار۔" تجن اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں جانور ہوں۔ میں نے ساٹھ آدمی مارے ہیں۔ مگر یہ سب جنگ میں گزرا ہے۔ جنگ میں سب مارتے ہیں۔ اپنے بچاؤ کے لئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں محسوس نہیں کرتا۔ کوئی کم، کوئی زیادہ، میں نے ہر موت محسوس کی ہے۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی اور وہ بیٹھے ہوئے خشک گلے سے بولنے لگا۔

"ہر وہ آدمی جسے میں نے مارا میں نے محسوس کیا۔ اس کا خون میں نے اپنے حلق میں...... لیکن یہ موت۔"

نعیم کو محسوس ہوا کہ اس کا گلا بند ہو گیا ہے۔ وہ گھبرا کر تیز تیز بولنے لگا۔ "ہم شاید جلد ہی حملہ کریں۔ دشمن کا کیمپ مغرب میں ہے جہاں دو دفعہ ہوائی جہاز نظر آیا تھا۔ اس جگہ ان کی طاقت سولہ ہزار ہے۔ انٹیلی جنس یہی

جاتی ہے۔ دو ہزار گورے اور چودہ ہزار افریقی۔ دو دو سو جوانوں کی کمپنی ہے۔ ساتھ بڑی توپیں اور اسّی مشین گنیں ہیں۔ یہ مچھر......'' اس نے دل میں گالی دی۔

''حوالدار' جرمنوں کے مورچوں میں بھی مچھر ہوں گے۔''

''ہاں۔''

باہر رات جنگل پر اور ان کے خیموں پر بہت نیچے جھک آئی تھی اور مدھم سی چاندنی میں ریت کے ذرے ناتوانی سے مہک رہے تھے۔ شمال کے رخ کی ہوا سارے میں چل رہی تھی۔ نعیم اور بجن اور دوسرے خیموں میں دوسرے سپاہی دیر تک آنکھیں کھولے' آنکھیں بند کئے اپنے اپنے سینوں میں موت کے خلا کو محسوس کرتے رہے۔

انہی مشقوں کے دوران ایک روز انہیں اصل دشمن کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ تیز دھوپ میں وہ لومڑیوں کی طرح ہوشیاری سے ہتھیار تھامے چل رہے تھے کہ چند قدم کے فاصلے پر گھاس میں سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ کمپنی پاؤں پر ہی رک گئی۔ ایک دو تین چار...... خاموشی۔ ''بلیک برڈ۔'' کمپنی کمانڈر نے ''کوڈ ورڈ'' دہرایا۔ جواب میں گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ کمپنی سر کے بل زمین پر آ رہی۔ دونوں طرف سے فائر جاری ہو گیا۔ پکی گھاس کٹ کٹ کر ہر طرف اڑنے لگی اور گولیاں ان کے اوپر سے گزر کر جڑوں میں سے مٹی اڑاتی ہوئی زمین میں دھنسنے لگیں۔ فائروں کی خشک پٹاخے دار آوازیں جنگل کے سناٹے میں ہر طرف پھیل گئیں اور جانوروں نے شور مچا کر بھاگنا شروع کر دیا۔

چند [illegible] اور [illegible] ایک [illegible] گھاس میں سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑی۔ اب دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ نعیم نے لیٹے لیٹے سامنے سے آتے ہوئے ایک سپاہی کے دل پر نشانہ باندھ کر گولی چلا دی۔ جرمن جو سرخ چہرے والا موٹا تازہ جوان آدمی تھا ٹانگیں سمیٹ کر گھٹنے ٹھوڑی سے لگا کر' گیند کی طرح ہوا میں اچھلا اور گھنی اُگی ہوئی گھاس میں جا پڑا۔ دائیں جانب بجن نے یکے بعد دیگرے دشمن کے دو سپاہیوں کو سنگین بھونکی۔ جب نعیم نے اسے دیکھا تو وہ ایک کے سینے میں سے سنگین نکالنے کی کوشش کر رہا تھا اور مرتا ہوا سپاہی سنگین کو مضبوطی سے تھامے اس پر جھکا ہوا تھا۔ وہ ایک بار جھٹکے دینے پر بھی جب سنگین نہ نکلی تو اس نے گھوڑا دبا کر گولی چلا دی۔ دھکے کے جھٹکے سے مردہ سپاہی پیچھے گر پڑا اور خون سے چمچماتی ہوئی سرخ سنگین ہوا میں کھڑی رہ گئی۔ بجن کے چہرے پر جنگلی جانوروں کی سی وحشت تھی۔ وہ بھاگتا ہوا جا کر ایک دشمن پر پیچھے سے ٹوٹ پڑا۔

ایک ادھیڑ عمر کا کسانوں کے سے چہرے والا جرمن بھاگتا ہوا نعیم کے سامنے سے گزرا۔ اس کی سنگین کا رخ کمپنی کمانڈر کے پیٹ کی طرف تھا جو پستول ہاتھ میں لئے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ مشین کی طرح نعیم بڑھا اور سنگین اس کی پسلی میں گاڑ دی۔ جرمن کسان کے میلے زرد دانتوں کے بیچ سے ایک کربناک آواز بلند ہوئی اور وہ سنگین پر جھک گیا۔ ایک لمحے کے بعد اس نے چہرہ اٹھا کر اپنے حملہ آور کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ معاً نعیم کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ اس نے درخت کے تنے پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو سنبھالا۔ جب اندھیرا دور ہوا تو وہ رائفل اٹھانے کے لئے جھکا۔ اس وقت بے تحاشا خوف زدہ ہو کر اس نے دیکھا کہ بایاں